OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

سزا کی حدود و قیود

The Limits and Boundaries of Punishment

Rabia Younus
BS Islamic Studies, The Women University, Multan.

Dr. Khalida Siddique
Lecturer, Department of Islamic Studies, The Women University, Multan.
Email: Dr.tahirsadiq@gmail.com

Received on: 07-01-2026 Accepted on: 20-02-2026

Abstract

Allah created humans and made them the noblest of His creation. Along with their creation, He instilled in them two forces: the forces of good and evil. With this in mind, He established a law such that if a person does good under the influence of the good force, they receive reward, and if they commit evil under the influence of the evil force, the concept of punishment applies. ALLAH says:

"That Allah may recompense every soul for what it has earned. Indeed, Allah is swift in account." [Qur'an 14:51]

These two forces within a person are always in conflict, and this struggle continues to grow. Islam always promotes the forces of goodness and righteousness within a person and urges avoidance of evil, providing teachings to refrain from all kinds of sins. This is why:

"Islam hates sin and error, but it does not hate the sinner."

It expresses abhorrence of oppression but encourages sympathy for the oppressed. It urges the prevention of oppression and injustice. To curb oppression, Allah has established a law of justice that gives assurance to the innocent, while the punishments prescribed for serious crimes serve to deter criminals, bring them to justice, and act as a lesson for others. In Islam, there are two concepts of reward and punishment: worldly and hereafter. If a person does good deeds in this world, they will receive good reward; if they commit evil, they will face punishment, which leads to disgrace both in this world and the Hereafter. Therefore, Allah has established the concept of punishment in Islamic objectives. Because it is also rationally accepted that if multiple crimes go unpunished, corruption will spread in society and the sanctity of punishment will be lost. For example, if parents discipline young children in such a way that they never consider repeating the act, the habit can be eliminated permanently; otherwise, the opposite will happen. That's why Islam has prescribed punishments for major crimes such as adultery, alcohol consumption, and unlawful killing. If these punishments are implemented, crimes not only decrease but can be reduced to nearly zero. For instance, before the punishment for theft was enforced in

Saudi Arabia, many crimes occurred, but once the law was applied, they dropped to almost zero. Accountability –every soul will be recompensed for what it has earned; ALLAH is swift in account, Law of justice-assurance and protection for the innocent, Reward-good results for doing right, Disgrace-loss of respect, shame, Hereafter-life after death.

Keywords: Creation of humans-human as the noblest creation of Allah, Divine Law- reward for good deeds, punishment for evil deeds.

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے اشرف المخلوقات بنایا اور اس کی پیدائش کے ساتھ اس میں دو قوتیں خیر اور شر کی بھی پیدا کیں۔ انہی کے پیش نظر ایسا نظام قانون بھی وضع کیا کہ انسان ان قوتوں کے زیر اثر جو بھی نیک عمل کرے گا اس پر جزا اور جو بھی برا عمل کرے گا اس پر سزا کا تصور رکھ دیا۔

جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

»لِیَجْزِیَ اللّٰہُ کُلَّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ ۚ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ«[1]

تا کہ اللہ ہر شخص کو ان (اعمال) کا بدلہ دے جو اس نے کمایا، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

انسان میں موجود یہ دو قوتیں ہمیشہ تصادم کا شکار رہتی ہیں اور ان کی یہ کشمکش ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے۔ اسلام ہمیشہ انسان کے اندر خیر اور نیکی کی قوتوں کو فروغ دیتا ہے اور برائی سے بچنے کی تاکید کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ گناہ سے بچنے کی تعلیمات بھی فراہم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

اسلام خطا اور گناہ سے تو نفرت کرتا ہے لیکن خطاکار اور گناہگار سے نفرت نہیں کرتا۔

ظلم سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے مگر مظلوم سے ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی طرح ظلم کو روکنے کے لیے اللہ نے ایسا قانون عدل بنایا جس کے باعث بے گناہ افراد کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور برے جرائم پر جو سزا مقرر کی گئی ہیں وہ جرائم سے مجرموں کو روکنے اور انہیں انجام تک پہنچانے اور عبرت حاصل کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اسلام میں سزا اور جزا کے دنیاوی اور اخروی دو تصور پائے جاتے ہیں۔ اگر انسان دنیا میں اچھے اعمال کرے گا اچھا اجر پائے گا اور اگر برائی کا عمل کرے گا تو اس پر سزا ملے گی جو انیا اور اکرت میں رسوائی کا سبب ہیں۔ اللہا تعالی نے اسلامی شریعت میں سزا کا تصور رکھا کیونکہ عقلا بھی یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ اگر متعدد جرائم پر سزا نہ دی جائے تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گا اور لوگوں میں برائی کی عظمت ختم ہو جائے گی۔

مثال کے طور پر اگر نو عمر بچوں کو والدین ایسی سزائیں دیں گے کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہیں کریں گے تو ان کی یہ عادت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گی اس لیے سزائیں مقرر کیں۔ ان سزا کے نفاذ سے نہ صرف جرائم کم ہوتے ہیں بلکہ صفر کی حد تک پہنچ جاتے ہیں جیسے سعودی عرب میں چوری کی سزا کے نفاذ سے پہلے بہت سے جرائم ہوتے تھے لیکن قانون نافذ ہوتے ہی وہ صفر کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔

سزا:

سزا کو تعزیر، عقوبات، خمیازہ، سزا سے پہنچنے والا نقصان، پاداش اور کڑی آزمائش بھی کہا جاتا ہے۔

سزا کے اردو معنی:

ایسی ایذا جو برائی کے عوض میں دی جائے، پاداش، برائی کا بدلہ۔

• عربی معنی:

عربی میں سزا کو عقوبت کہتے ہیں۔

اسلام میں سزائیں:

اسلام میں دو طریقے کی سزائیں ہوتی ہیں:

حدود

تعزیرات

حدود

حدود "حد" کی جمع ہے۔ جس کے معنی منع کرنے کے ہیں اور دو چیزوں کے درمیان فاصلہ کرنے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جیسے زمین کی حدیں اور گھروں کی حدیں اسی میں حدود اللہ بھی ہیں یعنی اللہ کی حدود (ان سے مراد وہ محارم ہیں جو شرعاً ممنوع ہے ارشادِ ربانی ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا

﴿ترجمہ: یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں لہذا ان کے قریب مت جاؤ۔﴾

اس کے علاوہ اس سے مراد اللہ تعالی کے احکام بھی ہیں جیسا کہ سورت الطلاق میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ

ترجمہ: اور جو اللہ کے احکام سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے﴾

شرعی تعریف:

حدود سے مراد قرآن وسنت سے مقرّر کردہ سزائیں شرعی سزائیں ہیں جن کا مقصد جرائم پیشہ لوگوں کو دوبارہ ان جرائم کا ارتکاب کرنے سے روکنا ہے اور امن قائم کرنا ہے۔

جرائم کی اقسام

فقہاء کے نزدیک جرائم کی دو قسمیں ہیں

جرائم الحدود

وہ جرائم جن کی سزا قرآن وسنّت میں مقرر شدہ ہے۔ اس سے مراد ارتداد (اسلام سے منحرف ہونا)، زنا، قذف (بہتان لگانا)، خمر (شراب خوری)، سرقہ (چوری کرنا)، محاربہ (ڈاکہ زنی)، قتلِ ناحق، البغی (حکومت کے خلاف بغاوت اور سرکشی کرنا)۔

جرائم القصاص

اس مراد قتلِ ناحق کا قصاص اور دیّت وغیرہ ہے۔

حدود قائم کرنے کا حکم

حدود کا نفاذ کرنا واجب ہے کیونکہ اس سے امن قائم ہوتا ہے اور مجرم دوبارہ جرم کرنے سے باز آجاتا ہے۔ ہر انسان کی عزّت نفس، مال و دولت اور اہل و عیّال کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ معاشرے کا بگاڑ ختم ہوتا ہے اور معاشرے میں امن کی فضا قائم ہو جاتی ہے، عوام اپنے آپ کو محفوظ تصوّر کرتی ہے اور ان حدود کی بدولت ہر قسم کے جرائم سے محفوظ رہتی ہے۔

اسلام میں سزا کی حدود کا فلسفہ

اسلام میں سزا کا جو تصّور رکھا گیا ہے وہ قانونی اعتبار سے بھی رہنمائی کرتا ہے اور یہ قانون عدل وانصاف پر مبنی قانون ہے خود قرآن میں ارشاد ہے :

اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

ترجمہ: انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

جرائم کی سزا کسی ذاتی جذبہ یا انتقام کے نتیجہ کے طور پر مشروع نہیں بلکہ اخلاقی اصلاح اور امن وامان کے قیام سے مشروط ہے۔ دار قطنی سے روایت ہے اور انہوں نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے::

(غزوہ احد میں جب مشرکین لوٹ گئے تو صحابہ کرامؓ میں سے ۷۰ اکابر کی لاشیں سامنے آئیں جن میں آپ ﷺ کے عمّ محترم حضرت حمزہؓ بھی تھے چونکہ مشرکین مکہ کو ان پر بڑا غیظ تھا اس لیے ان کی لاش پر اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ ان کی ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹے گئے اور ان کا پیٹ چاک کیا گیا آپ ﷺ کو اس منظر سے سخت صدمہ پہنچا اور آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی حمزہ کے بدلے ان کے ستر آدمیوں کا اسی طرح مثلہ کروں گا جیسا انہوں نے حمزہ کو کیا)

اس پر سورت نحل کی آیت نازل ہوئیں جس میں یہ قاعدہ بتادیا گیا کہ ظلم کا بدلہ اتنا ہی لو جتنا آپ پر کیا گیا اور اگر معاف کردو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سزا کا تعلق جذباتی انتقام سے نہیں بلکہ معاشرے کی فلاح سے ہے۔ اس لیے اسلام نے ان حدود اور ان کو نافذ کرنے کے کچھ قواعد بتائے ہیں کوئی ان سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ یہ ایک خود مختار عمل نہیں کہ کوئی بھی عام شخص اس کو نافذ کرنے لگے یہاں تک کہ کسی سیاسی حاکم کو بھی یہ حق حاصل نہیں۔

حدود کے نفاذ کا اختیار:

حدود کا نفاذ صرف اس شخص کے ذریعے ممکن ہے جو اقتدار اعلیٰ اور اس کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہو اور اسی کے احکام کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، جسے حدود اور اس کے قواعد و شرائط کا بخوبی علم ہو اگر ایسا نہیں تو کوئی بھی حد نافذ نہیں کرسکتا۔ اسلام کا مقصد صرف سزا دینا نہیں ہے بلکہ ایسے ذرائع فراہم کرنا ہے اور ایسی تدابیر اختیار کرنا ہے جس کے سبب یہ جرائم خود بخود ختم ہو جائیں۔

مثال کے طور پر حد سرقہ یہ نہیں کہ کسی نے چوری کی اور اس کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں بلکہ اس کے بھی کچھ اصول و ضوابط ہیں۔ سب سے پہلے یہ مد نظر رکھا جائے گا کہ آیا اس علاقے میں لوگوں کی بنیادی ضروریات اور حقوق ادا کیے جارہے ہیں، کیا سماجی انصاف مکمل طور پر رائج ہے اور معاشرہ غربت سے آزاد ہے اگر یہ سب یقینی ہے تو جو شخص چوری کرتا ہے وہ غربت کی بنا پر نہیں بلکہ بے حسی اور اخلاق میں کمی کی بنا پر کرتا ہے ایسی صورت میں حد سرقہ نافذ کی جائے گی تاکہ معاشرے میں استحکام ہو۔

قتل ناحق کے بدلے بھی اللہ تعالی نے قصاص کا حکم رکھا ہے جو کہ حد کی ایک قسم ہے اس کا نفاذ بھی کسی عام شخص کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ پہلے عدالتی طور پر اس کی پوری کاروائی ہوگی اور جرم ثابت ہونے پر سزا کا اطلاق ہوگا۔ قتلِ ناحق کی سزا قصاص ہے (جس کا مطلب برابری کے ہیں) یعنی اگر کسی نے کسی دوسرے شخص کو ناحق قتل کیا ہے تو اس قاتلکو بھی بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ قصاص کا نفاذ بھی اسلامی شریعت نے کسی ذاتی انتقام کے لیے نہیں کیا بلکہ اسے بھی معاشرے کی بقاء کا ذریعہ بتایا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

ترجمہ: اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی اے عقل والو! تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

قصاص میں زندگی رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اگر ناحق قتل پر سرِعام قصاص یعنی برابری کی سزا دی جائے گی تو دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں گے اور جرم از خود ختم ہو جائے گا اور باقی تمام لوگوں کی زندگی محفوظ ہو جائے گی۔ اس کے برعکس جہاں ایسا نہ ہو وہاں تمام کی تمام ترقومیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں کیونکہ جب جرم کی سزا نافذ نہ ہوگی تو لوگوں میں سزا کی عظمت ختم ہو جائے گی اور کھلم کھلا بغیر کسی خوف کے جرائم سرزد ہوں گے۔ سعودی عرب ایک ایسا ملک ہے جہاں اسلام کی ابتدا ہوئی اور وہاں حدود کا اسی طرح نفاذ کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں جرائم صفر کیحد تک پہنچ چکے ہیں۔

شرعی نص میں سزا کا متعین ہونا:

سزا کی نفاذ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ جن جرائم کی سزا قرآن وسنت میں مرکوز ہیں اور جس طرح مرکوز ہیں ان میں کسی بھی طرح کی کمی بیشی جائز نہیں بلکہ جن شرایط کے ساتھ وہاں سزا کی نفاذ کا ذکر ہے اس کو اسی طرح نافذ کرنا لازم ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں ذکر ہے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ- وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

ترجمہ: اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو

یہ سزا اس اللہ کی طرف سے اس وجہ سے جو انہوں نے کمایا اور

اللہ زبردست حکمت والا ہے

چوری کے لغوی معانی:

چوری کے لغوی معانی پوشیدہ طور پر کسی دوسرے کی کوئی چیز لے لینا ہے۔

اصطلاحی معانی:

کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے اس کو سرقہ کہتے ہیں۔

حد نافذ ہونے کی شرائط:

حد سرقہ کے نفاذ کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے:

• ملکیت کا نہ ہونا:

یعنی چوری کرنے والے کی اس مال میں ملکیت نہ ہو اور نہ ہی وہ کوئی ایسی چیز ہو جس میں تمام لوگوں کے حقوق برابر ہوں جیسے رفاعامہ کی اشیاء۔

• چور کا مکلف ہونا:

حد سرقہ کے نفاذ کی ایک شرط یہ بھی ہے چوری کرنے والا احکام کا پابند ہو، عاقل و بالغ ہو اور اس میں کسی طرح کی کمزوری نہ ہو کیونکہ مجنون اور دیوانہ پر حد نافذ نہیں ہوتی۔

• مال کا محفوظ ہونا:

حد کے نفاذ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مال محفوظ ہو یا کسی حفاظت کرنے والے کی نگرانی میں ہو، اگر ایسے یہ کسی غیر محفوظ جگہ پر مال رکھا ہے تو اس کے اٹھانے پر حد کا نفاز نہ ہو گا۔

• مال کا قیمتی ہونا:

حد سرقہ اسی وقت لازم ہو گی جب مال شریعت کے مطابق قیمتی ہو اور فقہی اعتبار سے اس کی مالیت دس درہم کے مطابق ہو۔ ایسا مال جس کی لوگوں کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں اسکے چوری ہونے پر حد کا نفاذ نہ ہو گا۔ مثال کے طور پر اس مال کا چوری ہونا جو غیر اللہ کے نام پر قربان یا تقسیم کیا جائے، کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

• مال کا پائیدار ہونا:

حد سرقہ کا نفاذ اسی وقت ہو گا جب چوری ہونے والا مال ایک سال تک خراب نہ ہو مثلاً سونا، چاندی وغیرہ۔ اگر مال ایسا ہے جو خراب ہونے والا ہو جیسے گیہوں، اناج وغیرہ اس کی چوری پر حد نافذ نہ ہو گی۔

• چھپ کر مال لینا:

حدِ سرقہ کے نفاذ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مال کو چھپ کر لیا جائے اگر کسی نے کسی دوسرے کا مال اعلانیہ طور پر لیا ہے تو اس کا شمار چوری میں نہ ہو گا۔

یہ تمام شرائط اگر پائی جائے گی تو حدِ سرقہ (ہاتھ کاٹنا) کا نفاذ ہو گا اگر ان میں سے کوئی بھی شرط موجود نہ ہو گی تو حد ساقط ہو جائے گی۔ یہی معاملہ باقی تمام جرائم کا ہے۔

سزا کا اطلاق:

سزا کا طریقہ بھی وہی ہو گا جو شریعت نے مقرر کیا ہے، چوری کی سزا گٹہ تک ہاتھ کاٹنا ہے اس میں بھی کمی یا زیادتی نہیں کی جا سکتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدود ایسی سزا ہے جو کہ اللہ کا حق ہے اور اس میں تبدیلی یا معافی کا حق کسی حاکم کو بھی حاصل نہیں۔

تعزیرات:

وہ جرائم جن کی سزا قرآن و سنت میں متعین نہیں کی گئی بلکہ حکم وقت کی صوابدید میں دے دی گئی انہیں تعزیرات کہتے ہیں۔

جن معاصی اور گناہ کی حد مقرر نہیں ان کی سزا، تعزیر و تادیب حاکم وقت کی رائے پر ہے۔ وہ حالات کی مناسبت سے جو چاہے سزا مقرر کرے۔ ایسے جرائم و گناہ درج ذیل ہیں؛

• ہم جنس پرستی
• کسی لڑکے کا بوسہ لینا
• کسی اجنبی عورت کا بوسہ لینا
• غیر محفوظ جگہ سے چوری کرنا
• دھوکہ دینا
• تجارت میں دھوکہ دینا مثلاً ناپ تول میں کمی کرنا، رشوت لینا
• وعدہ خلافی کرنا
• جو چیزیں اللہ نے حرام کی ہیں ان کا ارتقاب کرنا

یہ وہ جرائم ہیں جن کی سزا کا معاملہ حاکم وقت کی صوابدید پر ہے وہ چاہے تو ڈانٹ کر سمجھائے، مار پیٹ کرے یا جوتوں سے مرمت کرے۔ گناہ کی بنا پر سزا دی جائے گی اور اگر جرم بڑا ہے تو اس کی سزا بھی اسی کے مطابق ہو گی۔ تعزیر کا مقصد تکلیف دینا ہے اور اس شخص کی اصلاح کے لیے کوئی بھی راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس کا اختیار صرف حاکم وقت کو ہے۔ جس طرح قرآن میں ہر جرم کی سزا مقرر ہے لیکن جہاد میں شامل ہونے کی سزا مقرر نہیں لیکن غزوہ تبوک کے موقع پر جب تین حضرات سستی اور کاہلی کی بنا پر جہاد میں شامل نہ ہوئے تو آپ ﷺ نے خود ان کے لیے تعزیراتی سزا مقرر کی۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ہلال بن امیہؓ، مرارہ بن ربیعؓ اور کعب بن مالکؓ کاہلی اور سستی کے مارے جنگ میں شریک نہیں ہوئے جن کا ذکر قرآن میں کچھ یوں ہے ا

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

ترجمہ: اور وہ تین لوگ جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر ملتوی رکھا گیا اور یہاں تک کہ زمین اپنی فراغی کے باجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود ان پر ان کی جانیں تنگ ہو گئی یہاں تک کہ وہ یہ خیال کرنے لگے کہ اللہ کے سوا کسی کی پناہ نہیں ملی پھر اللہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول کی۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

توآپ ﷺ نے تعزیراتی طور پر ان سے معاشرتی بائیکاٹ کرلیااور ان سے سلام علیک پر پابندی لگادی۔ جس کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی اور سورت کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔اس کے علاوہ کسی عامل یاحاکم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے جس کی حد مقرر نہیں تو تعزیراتی طور پر انہیں ولایت اور عہدہ سے معزول کیا جائے گا۔

تعزیرات کے اصول

تعزیرات کے نفاذ کے لیے بہت سے اصول ہیں جن کا خیال رکھے بغیر سزا کا نفاذ ممکن نہیں انہی کے مطابق سزا متعین کی جائے گی۔اس کے نفاذ کے لیے حدود کا جاننا ضروری ہے۔ جن جرائم کی سزا حدود سے ٹکراتی ہوانہیں اسی کے مطابق متعین کیا جائے۔ تعزیرات حدود سے مختلف ہوتی ہیں اس میں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے کمی یا زیادتی کی جاسکتی ہے کیونکہ کبھی جرم نوعیت کے اعتبار سے چھوٹا ہوتا اور کبھی بڑا اسی لیے سزا کا نفاذ اسی کے مطابق ہو گا۔ سزا کا مقصد مگرم کی صلاح اور معاشرے میں امن قائم کرنا ہے۔اس بنا پر تعزیرات کے قیام چند اصول وضوابط کا خیال رکھنا ضروری ہے ورنہ سزا ساقط ہو جائے گی۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

جرم کی مناسبت سے سزا کا تعین

تعزیرات کا پہلا اصول یہ ہے کی جرم کی مناسبت سے ہی سزا کا تعین کیا جائے اور یہ سزا قید بھی ہو سکتی ہے اور جرمانہ بھی عائد کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان میں بھتہ خوری ایک عام جرم بن چکا ہے لیکن اس کی کوئی حد مقرر نہیں اسی لیے اسکی تعزیراتی سزا نافذ کی جاتی ہے۔ تعزیراتِ پاکستان دفعہ ۳۸۴ کے تحت اس کی سزا ۳سال قید یا جرمانہ ہے اور بیک وقت دونوں بھی نافذ کی جاسکتی ہیں۔ تعزیراتی سزا آپ ﷺ کے فرمان سے بھی ثابت ہے مثلاً آپ ﷺ نے تہمت زنا کی سزا اس لیے مؤخر کی اور ملزم کو قید کیا تاکہ حقیقت حال معلوم ہو سکے اور فورا سزا کا فیصلہ نہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تعزیر وتادیب کیا کرتے تھے، کسی کا سر منڈا کر، کسی کو جلاوطن کر کے اور کسی کو مار پیٹ کر۔اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کرنے والوں کے لیے سزا متعین کی اور شراب بیچنے والوں کی دکانیں جلادیں۔

مثلہ اور تشدد کرنے کی ممانعت:

مقتول کے اعضا کاٹ کر اس کی شکل وصورت بگاڑنے کو مثلہ کہا جاتا ہے۔ یہ عمل درست نہیں کیونکہ یہ انسانی اعضا کی بے حرمتی کا معاملہ ہے۔اللہ تعالی نے ہر انسان کو تحفظ بخشا ہے۔اس کی جان، مال، عزت کو دوسرے پر حرام قرار دیا ہے۔اسلام نے انسان کو ہر قسم کا تحفظ دیا ہے یہاں تک کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی تجہیز وتکفین کا ایسا انتظام مشروع کیا کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جو شریعت مردہ کو اتنا تحفظ دیتی ہے وہ اس بات کی کیسے اجازت دے سکتی ہے کہ انسان کے معمولی سے جرم پر اس کو مثلہ جیسی سخت سزا دی جائے یہ بات قابل توجہ ہے کہ بعض اوقات سزا اس حد تک پہنچ جاتی ہے لیکن اکثر معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ تعزیر حدود کی طرح نہیں بلکہ حاکم وقت کے اختیار میں ہے کی جرم اور حالات کی مناسبت سے سزا میں کمی کر سکتا ہے، لیکن کسی ذاتی انتقام کے خاطر کسی معمولی جرم کی سزا کو اس حد تک نہیں پہچانا کہ مجرم پر بے جا تشدد کیا جائے۔ یہ عمل سراسر درست نہیں۔ یہ انسانی اعضا کی بے حرمتی ہے جو کہ حرام ہے۔آپ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا:

تمھارے خون، تمھارے مال، تمھاری عزتوآبرو تمھارے درمیان

اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے اس شہر میں

اس دن کی حرمت ہے۔

اسی لیے مشروع کیا گیا کی تعزیر دیتے وقت حالات وواقعات کا خیال رکھتے ہوئے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا متعین کی جائے اور انسانی اعضا کا احترام کرتے ہوئے اس کا مثلہ یا بے جا تشدد نہ کیا جائے۔ سزا کا مقصد اصلاح کرنا، جرم کا سد باب کرنا ہے۔ یہ اصلاح مار پیٹ سے، ڈانٹ کر، غلطی کا احساس دلا کر بھی کی جاسکتی ہے۔ہیاج بن عمران برجمی سے روایت ہے کہ عمران کا غلام بھاگ گیا تو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ اگر وہ ان پر قدرت پائے گے تو ان کے ہاتھ کاٹ دیں گے پھر

انہون نے اس کے متعلق سمرا ابن جندب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

آپ ﷺ ہمیں صدقہ پر ابھارتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا۔

ترجمہ: اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ، ان کے بستر الگ کر دو اور انہیں مارو۔ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرو۔ بے شک اللہ بلند و برتر ہے اور بڑا بھی۔

اس آیت میں نافرمان عورت کے لیے ۳ طرح کی سزا تجویز کی گئی ہے:

- سمجھانا
- بستر جدا کرنا،
- اس طرح مارنا کے نشان نہ پڑے

یہ تعزیراتی سزا ہے جو کہ حاکم (شوہر) کی صوابدید پر منحصر ہے۔

چہرے پر مارنے کی ممانعت:

شریعت اسلام میں چہرے پر مارنا سختی سے منع ہے یہاں تک کہ حرام ہے چاہے وہ لڑائی کا معاملہ ہو یا بیوی بچوں کی تربیت کا ہر معاملے میں اس کی ممانعت ہے چاہے حدود کا موامہ ہو یا تعزیری سزا کا ہر طرح ممانعت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو مارے تو چہرے (پر مارنے) سے اجتناب کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے چہرے پر مارنا منع ہے یہاں تک کہ غلام کے چہرے پر بھی مارنے کی بھی ممانعت ہے یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اگر کوئی اپنے خادم کو مارے تو چھرے پر مارنے سے پرہیز کرے۔ آپس میں اگر لڑائی ہو جائے تب بھی اس سے گریز کرنا چاہیے۔ قاضی کو بھی حدود و توزیرات ک نفاذ میں اس بات کا خھیال رکھنا چاہیے۔

آپ ﷺ کی تعلیمات:

آپ ﷺ نے جب ایک عورت کے زنا کی سزا کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کو رجم کرو اور چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات سے صاف ظاہر ہے کہ جس عورت کا مرنا مقرر ہے۔ رجم کا حکم جاری ہے اس کے لیے بھی یہ ہدایت فرما دی کہ اس کے چہرے پر مارا نا جائے تو جن لاگوں کو تادیبا سزا دینی ہے تو یہ بات قابل حق ہے کہ ان کے چہرے پر نامارا جائے۔

چہرے پر مارنے کی حرمت کی وجہ:

چھرے پر مارنے کی حرمت کی وجہ صاف ہے کہ چہرہ حسن و جمال مظہر ہے اور انسان کے حواس خمسہ اور بہت سے افعال اسی کے ساتھ جڑے ہیں اگر چہرے پر مارا جائے تو ان اعضا میں سے کسی ایک کے ختم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جو کہ سراسر زیادتی ہے اور اعضا انسانی کی بے حرمتی ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے اتنی سخت سزا دینا قطعا جائز نہیں ہے اور یہ ادب و اخلاق کے خلاف ہے۔ اگر کسی کو تادیبا سزا دینی ہے تو جسم کے باقی حصے موجود ہیں ان پر مارنا چاہیے لیکن وہ بھی ایسی مار ہو جس سے نشان نہ پڑے اصل مقصد تقلیف دینا اور اصلاح کرنا ہے جو اس طرح کی سزا سے مقصد سے حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں چہرے پر مارنا جائز ہے جیسے قصاص وغیرہ اور یہاں تک کہ جنگ کے دوران بھی کفار کے چہرے پر مارنا جائز نہیں۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

غزوہ حنین کے موقع پر جب کفار نے آپ ﷺ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ نے زمین سے مٹی لی اور ان کی طرف پھینک دی فرمایا: شاھت الوجوہ (چہرے بگڑ جائیں) تو اللہ تعالی نے ان کے چہروں کو مٹی سے بھر دیا اور وہ پیٹ پھیر کر بھاگ گئے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ

پس تم پر جو زیادتی کرے تو تم بھی اتنی ہی زیادتی کرو جتنی تم پر کی گئی ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو بے شک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

اس طرح قرآن میں ارشاد فرمایا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے اس تورات میں یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بھی قصاص ہے لہذا یہ چند صورتیں ہیں ہیں جن میں چہرے پر مارنا جائز ہے کسی دوسری کسی صورت میں جائز نہیں لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ چہرا اشرف انسانی کا ترجمان ہوتا ہے۔

حاملہ، بیمار اور مجنوں کو مارنے کی ممانعت:

حدود و تعزیرات اسی وقت نافذ ہوگی جب جرم ثابت ہوگا اور جرم کرنے والا صحت مند ہوگا۔ حالات کی مناسبت سے سزا نافذ کی جائے گی۔ اگر مجرم بیمار ہے تو اس کی صحت یابی تک سزا مؤخر کی جائے گی۔ اگر جرم کرنے والی عورت حاملہ ہے تو وضع حمل تک اسکی سزا مؤخر ہو جائے گی۔ شریعت میں حمل کی قدر و منزلت ہے۔ اس کے بارے میں کسی قسم کی زیادتی کرنا اور اسے نقصان پہچانا قطعا جائز نہیں اور اگر روح کے داخل ہونے کے بعد حمل ساقط ہو جائے تو اس کا کفارہ اور دیت لازم ہے اور اگر حاملہ عورت پر کوئی تعزیراتی سزا یا حد لازم ہے تو اسے بھی وضع حمل تک مؤخر کرنا ضروری ہے اس کی دلیل میں حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ:

بریدہ بن اسلمی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھا تھا، غامد قبیلہ کی چاہتی ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں پس فرمایا اس سے نبی ﷺ نے کہ پس تو لوٹ جا پھر اگلے دن آئی اور زنا کا اعتراف کیا اور کہنے لگی اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے زنا کیا اور میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوٹ جا اور اگلے دن پھر اعتراف کیا فرمایا لوٹ جا کہنے لگی شاید آپ مجھے واپس لوٹانا چاہتے ہیں جیسے آپ نے ماعز بن مالک کو لوٹایا تھا۔ اللہ کی قسم میں زنا کی وجہ سے حاملہ بھی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تو واپس چلی جا یہاں تک کہ بچے کو جنم دے۔ جب بچے کا جنم ہوا تو وہ پھر سے آئی آپ ﷺ نے فرمایا واپس چلی جا یہاں تک کہ بچے کا دودھ چھڑوا دے کچھ عرصہ گزرا تو وہ بچہ اٹھا لائی اور اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور پھر سے سزا کا مطالبہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا ایک گھڑا کھود دو اور اس عورت کو سینے تک دھنسا دو اور رجم کر دو اور بچے کو مسلمان گھرانے میں دے دو چناچہ ایسا ہی ہوا۔

بیمار کو سزا دینے کی ممانعت:

شریعت اسلام انسان کی جان کی حفاظت کی ترغیب دیتا ہے اور اس کو ہر قسم کے نقصان سے بچاتا ہے۔ شریعت اسلام نے ایسے اقدامات کیے ہیں کہ جو انسان بیمار ہو یا اس کو ایسا مرض لاحق ہو جس کا علاج معالجہ مشکل ہو یا اس میں عرصہ درکار ہو تو اسے عبادت میں رعایت دی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ

ترجمہ: پس تم میں سے جو کوئی رمضان پائے تو روزہ رکھے، پس جو کوئی مریض ہو اور سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں مدت پوری کر لے۔ اللہ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تنگی کرنا نہیں چاہتا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں لیکن اللہ تعالی نے بیمار کے لیے رعایت کر دی کہ صحت یاب ہونے کے بعد روزے کی گنتی پوری کر لی جائے یہ اللہ کی طرف سے خاص انعام ہے۔ اس لیے حدود و تعزیرات میں اس بات کا زیادہ خیال رکھا جائے کہ اگر وہ شخص جس کو حد یا تعزیری سزا ملنی ہے اور وہ بیمار ہے تو اس کی حد صحت یابی کے تک ساقط ہو جائے گیا اور تعزیراتی سزا ک بھی یہی حکم ہے۔ اس طرح اگر مجرم مجنون ہے اور اسکو سمجھ نہیں تو اس پر بھی تعزیر کی سزا کا

اطاق نہ ہوگا۔اس کی دلیل میں یہ فقہی قاعدہ ہے۔

فقہی قاعدہ:

فقہی اصول (رفع القلم) حدود و تعزیرات کا بیمار یا مجنون سے: مؤخر یا ساقط ہونا اس کی دلیل میں مشہور نص یہ حدیث ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ«

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی تین لوگوں سے قلم اٹھالیا جاتا ہے۔ا۔سونے والے سے یہاں تک کہ وہ جاگ جائے،۲۔اور بچے سے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے،۳۔مجنون سے یہاں تک کہ اسے سمجھ آجائے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مجنون پر شرعی ذمہ داری اور اس پر سزا اس وقت تک نہیں جب تک عقل واپس نہ آجائے اس بنیاد پر فقہا نے لکھا ہے کہ مجنون پر حد یا تعزیر لاگو نہیں ہوتی۔بیمار کے بارے میں بھی کافی روایات ہیں اور فقہی قواعد ملتے ہیں۔اس کی مثال میں ایک حدیث کا مفہوم ہے

آپ ﷺ نے شراب کی حد جاری کرتے ہوئے فرمایا اگر مجرم بیمار ہو تو صحت یابی تک حد مؤخر کی جائے۔

اس مفہوم کی روایت فقہ کی کتب میں المرض مانع من اقامتہ الحد کے تحت آتی ہے۔

عملی مثال:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب کسی کو حد لگتی تھی تو طبیعت خراب ہونے کی صورت میں وہ صحت یاب ہونے کا انتظار کرتے تھے اور یہ روایت فقہ کی کلاسیکی کتابوں میں درج ہیں۔

حاصل کلام:

اسلام نے ہر جرم کی سزا مقرر کی ہے لیکن ان کی حدود و قیود قائم کی ہیں۔ان حدود میں نہ تو زیادتی کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کمی کی جاسکتی ہے۔سزا کے نفاذ حلالات اور ہر جرم کی مناسبت سے کیا جائے۔اس میں اتنی زیادتی نہ کی جائے کہ معمولی سے جرم کی سزا انسان کو کئی سالوں تک بھگتنی پڑے۔اس طرح کی سزاؤں کی اجازت